لایعنیت کا انکار

دانیال طریر

مرتبین

ڈاکٹر لیاقت جعفری

ڈاکٹر محمد سلیم وانی

عمر فرحت

لایعنیت کا انکار

دانیال طریر

لایعنیت کا انکار

دانیال طریر

مرتبین
ڈاکٹر لیاقت جعفری، ڈاکٹر محمد سلیم وانی
عمر فرحت

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

LAYANIAT KA INKAR

by

Dr. Liyaqat Jafri, Dr. Md. Salim Wani
Umar Farhat

Year of Edition 2018
ISBN 978-93-87829-02-2

Price Rs. 300/-

نام کتاب : لایعنیت کا انکار

شاعر : دانیال طریر

مرتبین : ڈاکٹر لیاقت جعفری، ڈاکٹر محمد سلیم وانی، عمر فرحت

اشاعت : ۲۰۱۸ء

تعداد : ۵۰۰

قیمت : ۳۰۰ روپے

زیر اہتمام : تفہیم پبلیکیشنز، راجوری (جموں وکشمیر، انڈیا)

مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

☆ شب خون، کتاب گھر، الہ آباد ☆ تفہیم پبلیکیشنز، راجوری (جموں کشمیر)

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

بہت ہی پیارے دوست اور پیارے شاعر

جناب مقصود حسن

اور

جناب حماد نیازی

کے نام

(جن کے تعاون کے بغیر یہ کتاب منظر عام پر نہیں آسکتی تھی)

عذرا عباس (پاکستان)

دانیال طریر کے لیے

" ہم دانیال کی شاعری پر بات کرتے ہیں۔کل عمر فرحت نے مجھے یاد دلایا کہ مجھے دانیال مرحوم پر کچھ لکھ دیں ۔ مجھے عمر کی اس بات پر حیرت ہوئی کہ کوئی دوستی کا ایسا دعویدار بھی ہوسکتا ہے، میں نے داد دی ۔ واہ عمر کیا بات ہے ۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے ۔ سب جانتے ہیں دانیال اب اس زمین پر نہیں ہے جس زمین پر ہم ابھی تک اچھلتے کودتے پھر رہے ہیں ۔ اس کی زندگی میں میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی، ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے جانتا ہو ۔لیکن میں اس کے آخری دنوں میں اس کے بارے میں جان گئی کہ دانیال جلد ہمیں چھوڑ دے گا ۔ اگر چہ یہ یقین نہیں تھا لیکن واہموں اور خدشات کا ایک بھنور دانیال کے نام کے ساتھ میرے گرد گھومتا تھا ۔اب تک دانیال کی شاعری میں نے یقین مانو میں نے پڑھی نہیں تھی اور اگر پڑھی تھی تو سرسری گزر گئی ہوگی ۔

عمر فرحت نے مجھے اس کی شاعری بھیجی ۔ میں نے پڑھی اور میں کڑھنے لگی کہ میں اس شخص سے کیوں نہیں ملی ۔ اب میں اس پر اس لئے نہیں لکھ رہی ہوں کہ دانیال اب نہیں رہا بلکہ اس لئے کہ آپ خود میرے ساتھ ساتھ اس کی شاعری پڑھیئے :

بلا جواز نہیں ہے فلک سے جنگ میری — اٹک گئی ہے ستارے میں ایک پتنگ میری

کیا کہتے ہیں اس شعر پر، یہاں دانیال کیا دیکھ رہا ہے کیا صرف فلک سے شکایت ہے یا زندگی بڑی سمجھ داری سے اس کے سامنے کھڑی ہے اور موت کا مذاق اڑا رہی ہے ۔

اس کی تشریح آپ اپنے حساب سے کیجئے۔ جی ہاں ہم ہر چیز اپنے حساب سے دیکھتے ہیں کسی منطقی زاویئے سے یا اپنے علم کے جھنڈے کے نیچے یا وہ سب جمع جتا کر کے جس کے درمیان ہم خود اٹکے ہوئے ہوتے ہیں کبھی ہم جلدی میں سب کچھ تسلی سے اٹھا لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی تسلی دیتے ہیں۔ تو میں کہتی ہوں۔ دانیال کے اس شعر نے مجھ سے کہا ہے، کیا تم بھی میرے اس خیال کے اردگرد گھوم رہی ہو۔

کیسی لا یعنی خواہش ہے یہ خواہش یہ خواہش موت سے پہلے چکھتا میں خاموشی سے

وہ لوگ جو شاعری کو ہضم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ بہت خاموشی سے اس کے معنی کی سطح کو چھو لیں گے۔ لیکن مجھے اس وقار کا انتظار ہے جب میں بھی مرنے سے پہلے اس خاموشی سے مل سکوں۔

خواہشیں تو لایعنی ہی ہوتی ہیں یہ ہم سے دور دور ہی رہتی ہیں

لیکن یہ خاموشی اس کو ڈھونڈنا کتنا مشکل ہے۔

کسی کو بھی نہ تھا آسان سانس کا لینا میری زمین پہ ہوا کا دباؤ ایسا تھا

اب کیا کہوں؟ میری زمین پہ۔ یہاں میری زمین پہ۔ جو صرف میری ہے۔ اس پر کسی اور کے قدم پڑے، وہ میری طرح سانس نہیں لے پائے گا۔ کیونکہ میری جیسی زمین اس پر بھی زندگی تنگ کر دے گی۔ یہاں خلاصہ صرف یہ ہے یہ شعر یہی تو کہہ رہا ہے مجھ سے عذرا عباس میں ڈر انہیں رہا اگر تم ایسی زمین پر ہو تو مجھے داد ضرور دو گی۔

ایسی بھی آرائش ہوتی ہے گھر کی تنہائی کمروں میں رکھی جاتی ہے

واہ دانیال۔ تنہائی کو اس لغت سے نکال دوں میرا دل چاہ رہا ہے، اب ڈھونڈ دوں کہاں ہے وہ تنہائی جس کا سامنا تم کرتے رہے۔ اور کب تک۔

کتابِ غیب پڑھتا جا رہا ہوں مرا ہونا کہاں لکھا ہوا ہے

اب آپ لوگ داد دیں اس شعر پر جو کسی دیوار کے پیچھے سے آواز دے رہا تھا دانیال کو۔ میں داد نہیں دے رہی۔ ابھی بیٹھی رو رہی ہوں۔ دانیال میں تھک گئی ہوں۔

تمہارے شعر مجھے رونے پر اُکسا رہے ہیں۔ یہ شعر صرف جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچا رہے بلکہ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ وہ وابستگی ہے جو ہم اپنی زندگی کو اپنی ذہنی صلاحیتوں کی سوجھ بوجھ میں گوندھ کر دنیا سے کہتے ہیں۔ (یہ ہیں ہم)

☆☆

علی اکبر ناطق (پاکستان)

دانیال طریر ۔۔۔۔۔

درختو! مجھ کو اپنے سبز پتوں میں چھپا لو
فلک سے ایک جلتی آنکھ مجھ کو دیکھتی ہے

دانیال طریر سے میری آخری ملاقات پاک ٹی ہاوس لاہور میں اُس وقت ہوئی جب وہ اپنی لاعلاج بیماری کینسر کے سلسلے میں لاہور آئے اور ڈاکٹر اُسے بتا چکے تھے کہ آپ کے دن تھوڑے ہیں۔ اِس پیغام پر بھی کہ جسے سُن کر کسی دیوتا کا کلیجہ بھی پانی ہو جاتا ہے اور اُس کے نزدیک ہر شے بے معنویت کا شکار ہو جاتی ہے، اِن حالات میں دانیال طریر میرے ساتھ گھنٹہ بھر جدید نظم کی نثری ہیئت پر انتہائی پُر معنی گفتگو کرتے رہے، اِس دوران اُنھوں نے بھٹک کر بھی اندرونی خلش کا احساس نہ ہونے دیا مگر مَیں دورانِ گفتگو مسلسل اضطراب کا شکار رہا، یا یوں کہیں کہ جدید نظم کی جمالیات و ہیئت پر میرے اُن سے شدید اختلافات کے باوجود مَیں اپنی بات کو اُن پر مسلط کرنے سے اِس لیے گریز کرتا رہا کہ میرے سامنے وہ دانیال طریر بیٹھا ہے جسے کچھ دنوں بعد ہم نہ دیکھ پائیں گے۔ہم نے بہت باتیں کیں، چائے پی، اسلام آباد کی پہلی ملاقاتوں کو یاد کیا، غالباً حماد نیازی ہمارے ساتھ بیٹھا تھا۔ دانیال طریر نے ایک عمدہ مضمون حماد نیازی پر بھی لکھا ہے۔ اُس کے کچھ عرصے بعد جب دانیال طریر پر موت کی دیوی مکمل چھاپہ مار چکی تھی، میرا کوئٹہ جانا ہوا اور میں نے علی بابا تاج سے خواہش ظاہر کی کہ دانیال سے ملاقات کرا دی جائے۔ علی بابا تاج نے یہ کہ کر صاف انکار کر دیا کہ دانیال اب اِس دنیا کا آدمی نہیں رہا اس لیے ہم اُس کا سامنا نہیں کر

سکتے اور نہ اُس کے کمرے میں جانے کی اجازت ہے۔ اُس کے بعد مَیں اسلام آباد آ گیا اور دو یا چار دن بعد ہی دانیال کسی نامعلوم دنیا میں نکل گئے۔

دانیال کی غزلیں اور نظمیں اُن سے بیشتر ملاقاتوں کے دوران بھی سُنی اور ادبی رسائل میں بھی پڑھیں۔ اُن کے بیشتر تنقیدی مضامین بھی پڑھے جن میں اُن کا نظریہء شعر کھُل کر سامنے آتا ہے۔ موجودہ کتاب میں دانیال کا سرمایہء شعر اُن جمالیاتی علاقوں کا سبزہء نور برستہ ہے جہاں احساس اپنی اساس کے کمزور ہونے کا ادراک کرتا ہے۔ اُن کی غزلوں کے اشعار شعر برائے شعر نہیں بلکہ خاص نظریہء حیات کی ترسیل کرتے ہیں اور اُن کے ہاں فن کی کائنات زندگی کی جمالیاتی کائنات سے منسلک ہے۔ اِس شعری بیانیے میں وہ احساسِ جمال اور ہیئتِ جمال کا دامن نہیں چھوٹنے دیتے۔ مجھے بعض اشعار پر شدید حیرانی کا سامنا ہوا کہ دانیال اپنی مختصر اور بامعنی زندگی سے کس قدر صاف واقف تھا۔ یہ غزلیں اور نظمیں میں بہت دل سے اور جذب سے پڑھتا رہا اور رشک کرتا رہا کہ مختصر حیات اگر فن کی جمالیات سے مزین ہو تو کتنی طویل اور لافانی ہو جاتی ہے۔ عمر فرحت کو داد دینا پڑتی ہے، جس نے اِس کام کو ہم قارئین کے سامنے لانے کی جذبہء دل سے سعی کی۔

غزلیات

حمد

آب و گل کی سلطنت اپنی زبانی حمد ہے
پاک مٹی حمد ہے اور صاف پانی حمد ہے

فاختہ بن کر جو اڑتی پھر رہی ہے شہر میں
یہ حقیقت میں کوئی صدیوں پرانی حمد ہے

یہ جو مٹی کے پیالے دفن ہیں زیرِ زمیں
یہ دفینہ ہے خزینہ، یہ نشانی حمد ہے

کائناتی پانیوں پر جو ازل سے ہے رواں
یہ ہوا اور اس کی موجوں کی روانی حمد ہے

پیڑ پر اک گھونسلا اور گھونسلے میں مامتا
یہ زماں کی قید میں اک لازمانی حمد ہے

ہاتھ کی محنت ، محبت ہے خدا کی ذات سے
آبیاری حمد ہے اور باغبانی حمد ہے

دیکھتا ہوں راستے میں مڑ کے جب اپنی طرف
سوچتا ہوں سر بہ سر میری کہانی حمد ہے

☆☆

آتشیں لہر نہ برفاب میں رکھی جائے
شب غنودہ مرے اعصاب میں رکھی جائے

جس کے کردار پرندوں کی طرح اڑتے ہوں
وہ کہانی مرے اسباب میں رکھی جائے

غار در غار بھٹکتے ہوئے میں چیخ اٹھا
روشنی اب کسی محراب میں رکھی جائے

آنکھ لگ جائے تری چاند کی لوری سن کر
پھر تری نیند مرے خواب میں رکھی جائے

اتنا آسان نہیں میرا جنونی ہونا
تیری تصویر بھی مہتاب میں رکھی جائے

جس جگہ پھول کے بھی پنکھ ہوں تتلی کی طرح
آنکھ اس قریۂ شاداب میں رکھی جائے

دھوپ جب مشک لیے اترے تو مایوس نہ ہو
چشم گریہ کوئی تالاب میں رکھی جائے

☆☆

اجالا ہی اجالا، روشنی ہی روشنی ہے
اندھیرے میں جو تیری آنکھ مجھ کو دیکھتی ہے

ابھی جاگا ہوا ہوں میں کہ تھک کر سو چکا ہوں
دیئے کی لو سے کوئی آنکھ مجھ کو دیکھتی ہے

تجسس ہر افق پر ڈھونڈتا رہتا ہے اس کو
کہاں سے اور کیسی آنکھ مجھ کو دیکھتی ہے

عمل کے وقت یہ احساس رہتا ہے ہمیشہ
مرے اندر سے اپنی آنکھ مجھ کو دیکھتی ہے

میں جب بھی راستے میں اپنے پیچھے دیکھتا ہوں
وہی اشکوں میں بھیگی آنکھ مجھ کو دیکھتی ہے

کہیں سے ہاتھ بڑھتے ہیں مرے چہرے کی جانب
کہیں سے سرخ ہوتی آنکھ مجھ کو دیکھتی ہے

درختو! مجھ کو اپنے سبز پتوں میں چھپا لو
فلک سے ایک جلتی آنکھ مجھ کو دیکھتی ہے

☆☆

اندھیرا بھی دیا ہے
یہ کیسا تجزیہ ہے

نیا ہے متن دوراں
پرانا حاشیہ ہے

نظر منظر فسانے
حقیقت زاویہ ہے

خدا کو مار ڈالا
یہ تو نے کیا کیا ہے

انا کے پاس مت جا
دہکتا سوریا ہے

تری خوشبو سے جانا
تو شاید موتیا ہے

کنویں جتنی زمیں پر
بہت دن جی لیا ہے

☆☆

ایک بجھاؤ ایک جلاؤ خواب کا کیا ہے
آنکھوں میں رکھ کر سو جاؤ خواب کا کیا ہے

پاؤں تلے ہے روند کے گزرو کچل کے دیکھو
پیچھے جاؤ آگے آؤ خواب کا کیا ہے

شیلف پہ الٹا کر کے رکھ دو اور بسرا دو
گل دانوں میں پھول سجاؤ خواب کا کیا ہے

خواب کا کیا ہے رات کے نقش و نگار بناؤ
رات کے نقش و نگار بناؤ خواب کا کیا ہے

نیند ملی ہے گڑ سے میٹھی ، شہد سے شیریں
گاؤ ، ناچو ، ناچو ، گاؤ خواب کا کیا ہے

لایعنی ہے سب لایعنی، یعنی یعنی
اور کہانی لکھ کر لاؤ خواب کا کیا ہے

ایک کباڑی گلیوں گلیوں واج لگائے
راکھ خریدو ، آگ کے بھاؤ خواب کا کیا ہے

☆☆

بدن پر ٹانک کر تارے اڑایا جا رہا ہے
مجھے آخر پرندہ کیوں بنایا جارہا ہے

جہاں پر ختم ہوتی ہے سمے کی راجدھانی
بدن ٹھہرا ہوا ہے اور سایا جارہا ہے

میں سویا بھی نہیں ہوں اور سپنا دیکھتا ہوں
زمیں کو آسمانوں پر بچھا یا جارہا ہے

نظر آتی نہیں ہے بولنے والے کی صورت
سنائی دے رہا ہے جو سنایا جا رہا ہے

اچانک اس صدا سے کانپ اٹھتی ہیں زمینیں
سنبھل جاؤ ! پہاڑوں کو ہلایا جارہا ہے

مجھے مٹی کا چہرہ اور آنکھیں دے کے بھیجا
کہا یہ صبر تیرا آزمایا جارہا ہے

کہانی ختم ہونے کی نشانی ہے یہ لمحہ
دعا کو زرد پتوں میں چھپایا جارہا ہے

☆☆

بلا جواز نہیں ہے فلک سے جنگ مری
اٹک گئی ہے ستارے میں اک پتنگ مری

پھر ایک روز مرے پاس آکر اس نے کہا
یہ اوڑھنی ذرا قوس قزح سے رنگ مری

جو کائنات کنارے سے جا کے مل جائے
وہی فراغ طلب ہے زمین تنگ مری

میں چیختے ہوئے صحرا میں دور تک بھاگا
نہ جانے ریت کہاں لے گئی امنگ مری

فنا کی سرخ دوپہروں میں رقص جاری تھا
رگیں نچوڑ رہے تھے رباب و چنگ مری

لہو کی بوند گری روشنی کا پھول کھلا
پھر اس کے بعد کوئی اور تھی ترنگ مری

☆☆

تیز ہوا میں رکھتا میں خاموشی کو
کاش صدا دے سکتا میں خاموشی کو

تیرے لہجے سے یا اپنی حیرت سے
کس بادل سے ڈھکتا میں خاموشی کو

بھید کھلا جب اس نے اپنے لب کھولے
سمجھ رہا تھا سکتہ میں خاموشی کو

ہم ہوتے اور گہرا ہوتا ہر جانب
تو آواز کو تکتا میں خاموشی کو

کیسی لایعنی خواہش ہے یہ خواہش
موت سے پہلے چکھتا میں خاموشی کو

الگ الگ آوازوں کی اس دنیا میں
ڈھونڈ رہا ہوں یکتا میں خاموشی کو

☆☆

کوئی سوائے بدن ہے نہ ہے ورائے بدن
بدن میں گونج رہی ہے ابھی صدائے بدن

عجب ہے شہر مگر شہر سے بھی لوگ عجب
ادھار مانگ رہے ہیں بدن برائے بدن

جہاں ٹھٹھرتی تمنا کو آگ تک نہ ملے
وہاں پہ کون ٹھہرتا ہے اے سرائے بدن

کہیں چمکتی ہوئی ریت بھی دکھائی نہ دی
کہاں گیا وہ سمندر سراب کھائے بدن

چراغ بن کے چمکتے ہیں روز شام ڈھلے
ہمارے پہلو میں سوئے ہوئے پرائے بدن

ہر ایک راہ میں بکھرے پڑے ہیں لوگ نفس
یہاں چلی ہے بہت دن تلک ہوائے بدن

وہ اپنی قوس قزح لے گیا تو کیا ہوگا
طرازِ غور طلب ہے تری فضائے بدن

☆☆

گیا کہ سیلِ رواں کا بہاؤ ایسا تھا
وہ ایک خواب جو کاغذ کی ناؤ ایسا تھا

کسی کو بھی نہ تھا آسان سانس کا لینا
مری زمیں پہ ہوا کا دباؤ ایسا تھا

لہو کی دھار سلامت رہی ، نہ سانس کا تار
مجھے جو کاٹ گیا وہ کٹاؤ ایسا تھا

وہ ٹمٹماتا ، تو اس کی ضیا بھی کم پڑتی
کسی دیے سے لہو کا لگاؤ ایسا تھا

وہ ایک تھا جو مجھے چار سو دکھائی دیا
میں جنگ ہار گیا ہوں کہ داؤ ایسا تھا

مجھے تو لاج کے اُجلے لباس میں وہ بدن
گلاب برف میں جیسے چھپاؤ ایسا تھا

بنے ہیں ناگ ، مرے بن میں پیڑ جتنے تھے
لگی ہے آگ ، صبا کا سبھاؤ ایسا تھا

☆☆

مٹی تھا اور دودھ میں گوندھا گیا مجھے
اک چاند کے وجود میں گوندھا گیا مجھے

میں نیست اور نبود کی اک کیفیت میں تھا
جب وہم ہست و بود میں گوندھا گیا مجھے

میں چشم کم رسا سے جسے دیکھتا نہ تھا
اس خواب لا حدود میں گوندھا گیا مجھے

خس خانہ زیاں کی شرر باریوں کے بعد
یخ زار نار سود میں گوندھا گیا مجھے

اس میں تو آسماں کے شجر بھی ثمر نہ دیں
جس خاک بے نمود میں گوندھا گیا مجھے

قوس قزح کی سمت بہت دیکھتا تھا میں
آخر غبار و دود میں گوندھا گیا مجھے

☆☆

نئی نئی صورتیں بدن پر اُجالتا ہوں
لہو سے کیسے عجیب منظر نکالتا ہوں

وہ دل میں اتریں تو ایک ہوجائیں روشنی دیں
دھنک کے رنگوں کو اپنی آنکھوں میں ڈالتا ہوں

زمین تلووَں سے آ چمٹتی ہے آگ بن کر
ہتھیلیوں پر جب آسماں کو سنبھالتا ہوں

ہوا میں تھوڑا سا رنگ اترے سو اس لیے میں
گلاب کی پتیاں فضا میں اچھالتا ہوں

کوئی نہیں تھا جو اس مسلسل صدا کو سنتا
یہ میں ہوں جو اس دیے کو سورج میں ڈھالتا ہوں

طرؔیر سانسوں کا رنگ نیلا ہوا تو جانا
خبر نہیں تھی یہ سانپ ہیں جن کو پالتا ہوں

☆☆

بکھرنے کا سبب مٹی پہ لکھتا جارہا ہوں
میں تہذیب ادب مٹی پہ لکھتا جارہا ہوں

سحر ہوگی تو شاید جاگنے والے پڑھیں گے
میں قصہ ہائے شب مٹی پہ لکھتا جارہا ہوں

ورق سونے کے مجھ کو کس نے دینے تھے کہ دنیا
سو اپنے خواب سب مٹی پہ لکھتا جارہا ہوں

چمکتی نیل آنکھیں جھیل پت تحریر کردیں
دہکتے سرخ لب مٹی پہ لکھتا جارہا ہوں

ستارا ٹوٹنے والا نہ ٹوٹا اور ٹوٹا
کوئی نظم عجب مٹی پہ لکھتا جارہا ہوں

ہمارے بیچ پڑنے والی ان صدیوں کا نوحہ
مجھے لکھنا ہے کب مٹی پہ لکھتا جارہا ہوں

جنونی رقص میں ہوں اور تلوے جل رہے ہیں
طرب ہے یا تعب مٹی پہ لکھتا جارہا ہوں

☆☆

پانی کے شیشوں میں رکھی جاتی ہے
سندتا جھیلوں میں رکھی جاتی ہے

چھونے کو بڑھ جاتی ہے وہ موم بدن
آگ کہاں پوروں میں رکھی جاتی ہے

چاند ترے ماتھے سے اگتا ہے چندا
رات مری آنکھوں میں رکھی جاتی ہے

ہاتھوں میں ریکھائیں پیلے موسم کی
سبز پری خوابوں میں رکھی جاتی ہے

چھو لیتی ہے جو تیرے نازک پاؤں
وہ مٹی گملوں میں رکھی جاتی ہے

رنگ جدا کرنے کے لیے چشم و لب کے
قوسِ قزح اندھوں میں رکھی جاتی ہے

ایسے بھی آرائش ہوتی ہے گھر کی
تنہائی کمروں میں رکھی جاتی ہے

☆☆

تسلسل سے گماں لکھا گیا ہے
یقیں تو ناگہاں لکھا گیا ہے

مکمل ہو چکی قرأت فضا کی
پرندے اور دھواں لکھا گیا ہے

مرا دو پل ٹھہر کر سانس لینا
سر آب رواں لکھا گیا ہے

اگائے گی ستارے اب یہ مٹی
زمیں پر آسماں لکھا گیا ہے

کتاب غیب پڑھتا جارہا ہوں
مرا ہونا کہاں لکھا گیا ہے

نہیں لکھا گیا کاغذ پہ کچھ بھی
فقط آئندگاں لکھا گیا ہے

☆☆

گماں اندر گماں کی کیفیت ہے
زمیں پر آسماں کی کیفیت ہے

بدن پر برف کو محسوس کرنا
کوئی آبِ رواں کی کیفیت ہے

یہ کیسا تجربہ ہے سوچتا ہوں
مکاں میں لا مکاں کی کیفیت ہے

کوئی آواز ابھری ہے بدن میں
سکوتِ جاوداں کی کیفیت ہے

نہیں ہوں میں نہیں ہوں بولتا ہوں
نہیں میں یعنی ہاں کی کیفیت ہے

ترے لب جھیل پر ابھرے ہوئے ہیں
عجب زخمِ نہاں کی کیفیت ہے

طرؔیر اک بار جینا چاہتا ہوں
جو سب آئندگاں کی کیفیت ہے

☆☆

گُھل گیا جسم ، روح کہتی رہی
تیز بارش سے جنگ اور سہی

کاش آکاش تک رسائی ملے
اک دعا کی پتنگ اور سہی

ہجر میں حبس کا اضافہ ہو
سانس ہے تنگ ، تنگ اور سہی

زندگی کی سرنگ کے اندر
تیرے غم کی سرنگ اور سہی

اب نہیں تیرا سر کہ سو جاؤں
خیر سینے پہ سنگ اور سہی

آسماں کو دھنک نہیں کافی
میری مٹی کا رنگ اور سہی

سب کی آنکھوں میں خواب ایک سے ہیں
خواب لکھنے کے ڈھنگ اور سہی

☆☆

پیڑ میں آدمی بناؤں میں
کوئی دنیا نئی بناؤں میں

لوگ دیکھیں تو دنگ رہ جائیں
شے کوئی دیدنی بناؤں میں

کائنات اک سفید کاغذ ہو
ہر طرف روشنی بناؤں میں

کوہ قاف ایک میرا اپنا ہو
ایک اپنی پری بناؤں میں

بانجھ دھرتی مجھے عنایت ہو
سرخ پھولوں بھری بناؤں میں

دھوپ میں اور بھی چمک جائے
کانچ کی جھونپڑی بناؤں میں

برف جمنے لگی ہے آنکھوں میں
خواب کمخواب ہی بناؤں میں

☆☆

جنت کے پھل زمیں پہ گرانے کی دیر تھی
اک بار آسمان ہلانے کی دیر تھی

میں پیڑ میں قیام کروں گا تمام عمر
یہ بات طائروں کو بتانے کی دیر تھی

یہ رمز مجھ پہ غیر کا احسان جانیے
اس دل میں ایک پھول کھلانے کی دیر تھی

اس چشمِ نیم باز کی خوابیدگی کی خیر
جیسے اسے یہ خواب سنانے کی دیر تھی

افلاک چاک ہونے لگے چاند شق ہوا
شاید مرے چراغ جلانے کی دیر تھی

پھر میں تھا اژدھوں کا علاقہ تھا خوف تھا
اپنی طرف خدا کو بلانے کی دیر تھی

تجھ تک پہنچنے میں مجھے صدیاں لگیں مگر
میری نہیں تھی یہ تو زمانے کی دیر تھی

☆☆

بطرز خواب سجانی پڑی ہے آخر کار
نئی زمین بنانی پڑی ہے آخر کار

تپش نے جس کی مجھے کیمیا بنانا تھا
مجھے وہ آگ بجھانی پڑی ہے آخر کار

بہت دنوں سے یہ مٹی پڑی تھی ایک جگہ
ہر ایک سمت اڑانی پڑی ہے آخر کار

جہاں پہ قصر بنائے گئے تھے کاغذ کے
وہاں سے راکھ اٹھانی پڑی ہے آخر کار

وہ پاؤں بھیگے ہوئے دیکھنے کی خواہش میں
چمن میں اوس بچھانی پڑی ہے آخر کار

مرے بدن کی ضیا بڑھ گئی تھی سورج سے
لہو میں رات ملانی پڑی ہے آخر کار

زمیں پہ داغ بہت پڑ گئے تھے، خون کے داغ
فلک کو برف گرانی پڑی ہے آخر کار

☆☆

خاموشی کی قرأت کرنے والے لوگ
ابو جی اور سارے مرنے والے لوگ

روشنیوں کے دھبے ان کے بیچ خلا
اور خلاؤں سے ہم ڈرنے والے لوگ

مٹی کے کوزے اور ان میں سانس کی لو
رب رکھے یہ برتن بھرنے والے لوگ

میرے چاروں جانب اونچی اونچی گھاس
میرے چاروں جانب چرنے والے لوگ

آخر جسم بھی دیواروں کو سونپ گئے
دروازوں میں آنکھیں دھرنے والے لوگ

☆☆

ریت مٹھی میں بھری پانی سے آغاز کیا
سخت مشکل میں تھا آسانی سے آغاز کیا

مجھ کو مٹی سے بدن بنتے ہوئے عمر لگی
میری تعمیر نے ویرانی سے آغاز کیا

یہ جہانوں کا زمانوں کا مکانوں کا سفر
غیب نے لفظ سے یا معنی سے آغاز کیا

جب بھی یہ آنکھ عناصر کی طرف دیکھتی ہے
یاد آتا ہے پریشانی سے آغاز کیا

جسم اور اسم مجھے کیسے ملے کس نے دیے
ان سوالات کی حیرانی سے آغاز کیا

ایک خاموش سمندر تھا مرے چار طرف
جس میں آواز نے طغیانی سے آغاز کیا

مجھ کو بد صورتی جسم کا اندازہ ہے
میں نے آئینہ عریانی سے آغاز کیا

☆☆

عجب رنگ طلسم و طرز نو ہے
دیا ہے آگ کا مٹی کی لو ہے

مجھے سن لیں گی تو دیکھیں گی آنکھیں
مری آواز میں سورج کی ضو ہے

رکاب اور باگ قابو میں نہیں ہیں
یہ اسپ وقت کتنا تیز رو ہے

مری تعریف کے ہیں دو حوالے
قدم افلاک پر مٹھی میں جو ہے

نہیں ہے حریت کی کوئی قیمت
مگر پنجرے کی قیمت چار سو ہے

میں کیا ہریالیوں کی آس باندھوں
زمیں کے ساتھ سپنا بھی گرو ہے

طریق آنسو ہیں اور دھندلاہٹیں ہیں
یہ کیسی کہکشاں کی جلو ہے

☆☆

نظمیات

کتھارسس

چیخنا ہے مجھے
اس زمیں پر
نہیں
آسماں میں
نہیں
ان وجودوں کی لا میں
خلا میں
مجھے چیخنا ہے
انا کی انا میں
مگر کس سزا میں؟
کہ جیون بتایا ہے اس کربلا میں
مجھے چیخنا ہے خلا میں
جہاں اپنی چیخیں میں خود ہی سنوں
فیصلہ خود کروں
ان وجودوں کو کیا میں جیوں یا مروں

☆☆

ایک سب آگ ایک سب پانی

ہمارے غم جدا تھے
قریۂ دل کی فضا، آب و ہوا
موسم جدا تھے
شام تیرے جسم کی دیوار سے چمٹی ہوئی تھی
مجھ کو کالی رات کھاتی تھی
تجھے آواز دیتی تھی ترے اندر سے اٹھتی ہوک
مجھ کو بھوک میری روح سے باہر بلاتی تھی
تجھے پاؤں میں پڑتی بیڑیوں کا روگ لاحق تھا
مجھے آزادی پہ شک تھا
تجھے اپنوں نے اپنے گھیر کا قیدی بنایا تھا
مجھے بے رشتگی نے ذات کا بھیدی بنایا تھا
مسلسل لیکھ پر گردش میں رہنا، ناچنا
تیرا وتیرہ جزیرہ تھا
مری اک اپنی دنیا تھی
مرا اپنا جزیرہ تھا
کوئی دریا تھا اپنے بیچ
ہم دونوں کنارے تھے
الگ دو کہکشائیں تھیں
جہاں کے ہم ستارے تھے

☆☆

dog&?

حرفوں کی ترتیب الٹ کر
کان کو ناک بنا سکتا ہوں
ناک کو کان بنا سکتا ہوں

شیر کو ایک اشارے پر میں
بندر ناچ نچا سکتا ہوں
بندر کو جنگل کا راج دلا سکتا ہوں
سچ کو جھوٹ بنا سکتا ہوں
جھوٹ کو سچ منوا سکتا ہوں
جس کو جیون دینا چاہوں
دے سکتا ہوں
جس سے جیون لینا چاہوں
لے سکتا ہوں
برف کو آگ اور آگ کو پانی کر سکتا ہوں
لافانی کو پل میں فانی کر سکتا ہوں
آبادی اور بربادی کے
جنتر منتر یاد ہیں مجھ کو

جادوگر ہوں

لہو اور آنسو

مجھ پر کیسے اثر کریں گے

میں پتھر ہوں

پتھر کے منہ سے نکلی کالی آواز ہوں

دہشت ساز ہوں

☆☆

مگر ۔۔۔۔۔۔

اگر
نیند کی گھاس میں
دودھیا روشنی سے بھرے تیرے پاؤں
ستارے بچھاتے
تو جگنو اتر کر ستاروں پہ جھکتے
بہت دیر رکتے
ہوا بانسری پر کوئی گیت گاتی
حیا آبشارِ ضیا میں نہاتی
دعا مسکراتی
پرندے گھنے سبز پیڑوں پہ آتے
خوشی گنگناتے

میں بیلے کی خوشبو سے مصرعے سجاتا
میں نظموں کی دنیا میں دنیا بساتا
میں نظمیں کہتا
وہ نظمیں فرشتے نگاہوں میں بھرتے
فلک پار کرتے
فلک پار کر کے خدا کو سناتے
تو اس کو زمانوں کے غم بھول جاتے

☆☆

آواز کا نوحہ

گڑیا! بولو
گڑیا! اپنی آنکھیں کھولو
گڑیا! دل پہ بوجھ ہے کوئی
تو جتنا جی چاہے رو لو
گڑیا! یہ خاموشی مجھ کو کاٹ رہی ہے
گڑیا! موت کی دیمک مجھ کو چاٹ رہی ہے

☆☆

نارسیدہ

میں اک دیا جلا ہوا
مجھے بجھا سکا کوئی
مجھے نہ پا سکا کوئی
نجانے کتنے وقت سے
میں وقت سے ملا نہیں
مگر مجھے گلا نہیں

وہ ہاتھ کب کے کھو گئے
جو مجھ کو رکھ کے سو گئے
میں جاگتا رہا مگر
میں بولتا رہا مگر
مجھے کوئی نہ سن سکا
میں آب و گل کا ساز تھا
میں بت کے دل کا راز تھا

☆☆

جبر کا اختیار

اس کے قلم نے کیوں لکھا ہے
میرے بھاگ میں
اپنی آگ میں جلتے رہنا
اپنے بارے سوچتے رہنا
اپنے بھید کو کھوجتے رہنا
اپنے بھید میں ایسا کیا ہے
سوچ رہا ہوں
لیکن سوچ کو سمتیں دینا
اس کے دست رسا میں کیوں ہے
سب کچھ ایک گپھا میں کیوں ہے
پہرے دار کا کیا کردار ہے
دنیا سٹیج نہیں بازار ہے
ہم سب شاید بازاری ہیں
نہیں نہیں ہم انکاری ہیں
ہم قیدی ہیں
ہم سارے اس کے بھیدی ہیں
اس کے بھید میں ایسا کیا ہے
اس کے قلم نے کیا لکھا ہے

☆☆

عجائب

عجب گھٹا تھی
لہو بہاتی
عجب ہوا تھی
تمام راستوں میں ناچتی اور موت گاتی
عجب دعا تھی
جو لوٹتی تو ہزار ہا کرگسوں کو بھی اپنے ساتھ لاتی
عجب بقا تھی
قریب آتی تو اپنی ہر اک ادا سے ہم کو فنا دکھاتی
عجب سزا تھی
کہ پھر بھی غم سے پھٹی نہ چھاتی

☆☆

ناممکنہ رسائی

اک پری ہے گھاس پر لیٹی ہوئی
اور دھند میں سوئی ہوئی
اور میں اس کی سمندر جیسی گہری گہری آنکھوں کے
کسی سپنے میں ہونا چاہتا ہوں
رات بھر شبنم میں رونا
گھاس کی نرمی میں بونا چاہتا ہوں
سانس اپنی
اس کی پلکیں اپنی آنکھوں میں ڈبونا چاہتا ہوں
میں بھی سونا چاہتا ہوں
نینداس کی
خواب اس کا
میں بھی ہونا چاہتا ہوں

☆☆

تابوت ساز کا احتجاج

میں تابوت بناتا ہوں
تابوتوں کو بھرنے والی موت نہیں
موت کے کاروبار کا سارا سود تمہارا
یہ سارا بارود تمہارا
کیوں دیتے ہو مجھے الزام
جانتے ہیں سب میرا کام
میں تابوت بناتا ہوں
تابوتوں کو بھرنے والی موت نہیں

☆☆

اے وحشتِ دل کیا کروں

جی کرتا ہے
تنہائی کی چھت پر جاؤں
زہری رات کی نیلاہٹ کو
نس نس میں محسوس کروں
پوروں سے دیکھوں
مجبوری کی بالشتوں سے
ایک سرے سے دوجے سرے تک
حرص وہوس کا امبر ناپوں
سچائی کے تیز اور نوکیلے دانتوں سے
جھوٹی روشنی بانٹنے والے
سارے نقلی تارے نوچوں
چاند کی پھٹی ہوئی گڈی کو
شوکیں مارنے والی زرد ہوا سے کھینچوں
دوکشکول نما آنکھوں سے
پورے سات سمندر روؤں

☆☆

عدم تسلسل کی خواہش

سنو! یہ چاپ سنتے ہو
اندھیرا چل رہا ہے
گھر سے بن تک
خاک کے ذرے تارے تک
سمندر سے جزیرے تک
جزیرے سے کنارے تک
اندھیرا چل رہا ہے
اور اس کی چاپ میں کیسا تسلسل ہے
کہ وقفہ تک نہیں آتا
مجھے اک سانس لینا ہے
مگر اک سانس لینے کے لیے کتنی گھٹن جھیلوں
گھٹن میں نظم چلتی ہے
اندھیرے کی طرح نظم کو رکنا نہیں آتا
تسلسل کیسے توڑوں
سانس کیسے لوں
سنو! میں چاپ سنتا ہوں
سماعت چاپ سننا بند آخر کیوں نہیں کرتی
سماعت کیوں نہیں مرتی

☆☆

بے خدا عہد میں خود کلامی

دور کیسی الجھی ہے
کیوں سرا نہیں ملتا
خواب دیکھ سکتا ہوں
اور کھینچ سکتا ہوں
میں ہوا سے سانسیں بھی
میرا جسم میرا ہے
نوک پا سے بالوں تک
پر مری دعاؤں کو
اب خدا نہیں ملتا

☆☆
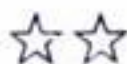
اشکبار استعارے

خموشی کے کمرے کے کونے میں چھپ کر

صدا رو رہی ہے

اندھیرے کے شیشے کے اس پار تک کر

ضیا رو رہی ہے

چراغوں کی قبروں کے کتبوں سے لگ کر

ہوا رو رہی ہے

مری اوک کی سیپ میں پھول رکھ کر

دعا رو رہی ہے

فنا بن کے پیڑوں کے سائے میں رک کر

بقا رو رہی ہے

☆☆

لفظ ازم

لفظ جڑتے نہیں
کوئی مصرع بناتے نہیں
بوجھ اٹھاتے نہیں
مجھ سے کہتے ہیں
ہم کوئی مزدور ہیں
گٹھڑیاں
کترنوں سے بھری گٹھڑیاں
کیوں اٹھاتے پھریں
کوئی مجبور ہیں
ہم سے کس نے کہا ہے
کہ ہم بار ڈھونے پہ مامور ہیں
خواب اوروں کے سارے
پہ شانے ہمارے
بہت خوب
جاؤ کسی اور کو ڈھونڈ لاؤ
جو معنی کی بجری بھری یہ تغاری

اٹھا بھی سکے
سر جھکا بھی سکے
جا تلاشو انہیں
وہ جو احساس کی ریت کی بوریوں کے لیے
ریڑھ کی ہڈیوں کو کماں کر سکیں
کار لا حاصلی بے تکاں کر سکیں
ہم بہت تھک چکے
اور تنگ آ گئے
اپنے شانوں پہ خوابوں کے زنگ آ گئے
ہڈیوں میں بھی معنی کے رنگ آ گئے
زنگ بھی اتنا گہرا کہ کٹتا نہیں
ہاتھ جوڑے مگر
لفظ جڑتے نہیں

☆☆

حال استقبال

زمیں پر پن گرے گی
اور صدا ساری فضا میں گونج اٹھے گی
پرندے خون کی الٹی کریں گے
جس کی بدبو سے شجر تک سانس لینا بھول جائیں گے
حجر ایسے چھناکے سے شکستہ ہو کے بکھریں گے
کہ میخوں خاک کے اندر گڑی میخوں کے دل بھی کانپ
جائیں گے
بشر کیڑوں مکوڑوں کے قد و قالب میں ڈھل جائیں گے
ایسے بل تلاشیں گے
پڑے گے ریت
بادل سے مسلسل لو جھڑے گی
آسماں سے خوف اترے گا
گرے گی آگ
دس تک گن
گرے گی

☆☆

ابو

جب میں تنہا ہو جاتا ہوں
جب خود سے، جہان سے
زمین سے، آسمان سے جدا ہو جاتا ہوں
جب میں خلا ہو جاتا ہوں
تو ابو سے باتیں کرتا ہوں
وہ باتیں جو مجھے رنگوں اور نئی نظموں
سے بھر دیتی ہیں
نئی نظمیں جو غیب کے اشاروں اور استعاروں
سے مزین ہوتی ہیں
جن میں اسرافیل باتیں کرتا ہے اور آیتیں پڑھتا ہے
اور کبوتر ان کے مفہوم سے زیتون کو آگاہ کرتے ہیں
یہ فضا مجھے موت کی حقیقت بتاتی ہے
زندگی کو زندگی سے آگاہ کرتی ہے
جب میں فنا ہو جاتا ہوں
تو ابو سے باتیں کرتا ہوں

☆☆

(اپنی پشتو نظم سے ترجمہ)

امی کے لیے

میں نہیں تھا
ترے رحم کی روشنی میں اترنے سے پہلے
نہیں تھا
نہیں کے مساوی نہیں

اسم کیا
جسم تک میں نہیں تھا
نہیں میری تکمیل تھی

اپنے ہونے کے احساس کی
ساعت اولیں

وقت سے معرفت
قرأت نقش بے نقش ہائے ادق
زندگی کے شب و روز کے
پہلے پہلے ورق
اولیں سب سبق

میں نے تیرے مقدس، طہارت بھرے
رحم میں پڑھ لیے
اور از بر کیے
سانس لینے سے پہلے

مجھے تو نے زندہ کیا
روشنی آنکھ پتلی پہ گرنے سے پہلے
مجھے تو فردا کے باغوں میں اڑتا
پرندہ کیا
تو نے پیدا کیا
جنم دینے سے پہلے مجھے
چشم بینا کے وا ہونے سے پیش تر
مجھ کو مجھ پر ہویدا کیا
میں نہیں تھا
نہیں کے مساوی نہیں
ہو چکا ہوں تو کیا
میرے اوصاف میں اپنا کچھ بھی نہیں
تو دروں
تو بروں
میرے اطراف میں اپنا کچھ بھی نہیں
تو جو ہے تو زمانے پہ حاوی ہوں میں
تو نہیں تو نہیں کے مساوی ہوں میں

☆☆

ثروت حسین کے لیے

روشنی کے لیے لکھ
روشنی آگہی کے لیے لکھ
روشنی آگہی آشتی کے لیے لکھ
روشنی آگہی آشتی زندگی کے لیے لکھ
روشنی آگہی آشتی زندگی آدمی کے لیے لکھ
آدمی کی طرح جس کو جینے کی خواہش ہے
اس کے لیے لکھ
آدمی کی طرح جس کو مرنے کی خواہش ہے
اس کے لیے لکھ

☆☆

لایعنیت کا انکار

میں

ت

ہ

ذ

ی

ب

کس طرح لکھوں

مجھے معلوم کب ہیں اس کے معنی

یہ کہانی

میں نے

یا

اجداد نے میرے

کبھی لکھی، پڑھی یا پھر سنی ہے کیا

کہیں محفوظ بھی ہے یہ

لہو میں، دل میں یا پھر ذہن کی اس کالی کھائی میں

اگر محفوظ ہے
تو میں نے کیوں دیکھی نہیں اس کی جھلک
اب تک کے خوابوں میں
نہیں دیکھا ابھی تک کیوں اسے
میں نے کتابوں میں
میں
ت
ہ
ذ
ی
ب
کس طرح لکھوں
کہ بے معنی مجھے لکھنا نہیں آتا
کہ لایعنی مجھے لکھنا نہیں آتا

☆☆

پینترہ باز

کھیل
تیرے پاس تو الفاظ ہیں
تو جانتا ہے
حرف سے حرفوں کا میل
بیلنے پر رکھ تخیل کے
نئی اک نظم بیل
جوڑ مصرعے
کھینچ ریل
اور پھر گھماتا جا اسے من چاہے رستوں پر
نہیں مت ڈر
کہ لفظوں پر کوئی بندش نہیں ہوتی
نہیں ہوتی کسی کو جیل

وہ دن جا چکے
جب حرف کی حرمت بھی ہوتی تھی
نئ ہر نظم کی وقعت بھی ہوتی تھی
کوئی سچائی بھی اور اس میں کڑواہٹ بھی ہوتی تھی
مٹھائی بانٹ
یہ کنکر اٹھا
اور تان دے اپنی غلیل
کھیل
تیرے پاس تو الفاظ ہیں
☆☆

بخت بد بخت

تیرا بین
اندھیری رین
تیری چیخیں
نیلی
پیلی
کالی
گالی
تیرا رونا
کھوٹا سونا
تیری سینہ کوبی
دھوکا
غم گیں دل
اک خالی کھوکا
کیا بولوں تجھے قسمت سالی
جاوے رُدھالی
جاوے رُدھالی

☆☆

تعارف

نام	:	مسعود دانیال
قلمی نام	:	دانیال طریر
پیدائش	:	۲۴ / فروری ۱۹۸۰ء
جائے پیدائش	:	لورالائی (بلوچستان، پاکستان)
تعلیم	:	ایم۔اے (اردو)
پیشہ	:	لیکچرر شعبہ اردو، جامعہ بلوچستان کوئٹہ
مطبوعہ	:	آدھی آتما (شاعری) ۲۰۰۵ء
		بلوچستانی شعریات کی تلاش (جلد اول) ۲۰۰۹ء
		معنی فانی (شاعری) ۲۰۱۲ء
		معاصر تھیوری اور تعین قدر (تحقیق و تنقید)
		جدیدیت، مابعد جدیدیت اور غالب (تحقیق و تنقید)
وفات	:	۱۵ / جولائی ۲۰۱۵ء

☆☆

عمر فرحت　　　ڈاکٹر محمد سلیم وانی　　　ڈاکٹر لیاقت جعفری

دانیال طریر ایک انوکھے اور البیلے شاعر کی طرح اردو کے ادبی منظر نامے پر ابھی پوری طرح طلوع بھی نہیں ہوئے تھے کہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ ان کی شناخت اپنی روایت سے پوری طرح باخبر ہونے مگر روایت کے ساتھ اپنی معاصر شاعری سے بھی مختلف اور ممتاز ہونے کے سبب قائم ہوتی ہے۔ وہ اپنے طرزِ وجود کا تعین اپنے جسم و جان کے حوالے سے کم اور النفس و آفاق کی پوری کلیت کے پس منظر میں زیادہ کرتے ہیں۔ انسان کو فطری مظاہر کائنات کے حوالے سے سمجھنے کا مسئلہ ہو یا انسان اور فطرت کے متصادم ہونے کا اندیشہ ہو، اس حقیقت تک دانیال طریر کی رسائی بعض وجدانی وسیلوں سے ہوتی ہے۔ پھول، پتی، پیڑ، پرندہ، جگنو اور مہتاب سے لے کر افلاک اور جنت تک کی دلالتی لفظیات ان کی شاعری میں اسی پس منظر کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ ان کی نظمیں ان کے مرتب اور جامعیت پسند افتادِ طبع کا بہترین مظہر ہیں۔ سردست ان کی غزلوں کے بعض اشعار کی مدد سے ان کی انفرادیت کو تشکیل دینے والی امیجری اور علامتوں کے انوکھے پن کا لگنا مناسب ہے۔

اتنا آسان نہیں میرا جنونی ہونا　　　تیری تصویر بھی مہتاب میں رکھی جائے

کھنڈر یہ پھر بسانے کا ارادہ ہی نہیں تھا　　　بدن میں لوٹ آنے کا ارادہ ہی نہیں تھا

میں ترے ساتھ اڑتا پھر رہا تھا آسماں میں　　　خدا کو بھول جانے کا ارادہ ہی نہیں تھا

رسالہ تفہیم کے مدیر اور نوخیز شاعر عمر فرحت نے دانیال طریر کی شاعری کا انتخاب کر کے اور اس کی اشاعت کی سبیل نکال کے ہمیں ایک نئی آواز اور چونکا دینے والے لہجے سے آشنا کیا ہے۔ ہمیں عمر فرحت کا ممنون ہونا چاہیے۔

ابوالکلام قاسمی

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi, INDIA

TAFHEEM PUBLICATIONS تفہیم
Opp. ITI. Road, Ward No. 04, Rajouri. 185131(J&K)